نبوت کا عطیہ

از

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ناشر

شعبۂ دعوت وارشاد

ندوۃ العلماء، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

سلسلہ مطبوعات نمبر (۲)

نام کتاب	نبوت کا عطیہ
مؤلف	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
صفحات	۲۴
تعداد	دس ہزار
سن اشاعت	ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ / اکتوبر ۲۰۱۲ء
ناشر	شعبۂ دعوت وارشاد، ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبوت کا عطیہ (☆)

دنیا کی تاریخ میں کثرت سے ایسے افراد اور جماعتیں گزری ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کی ہے، اور دنیا کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے، اس موقع پر وہ سب تاریخ کی سطح سے اُبھر آتے ہیں اور اپنے کو انسانیت کا معمار و خدمت گزار کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، اور وہ امیدوار ہوتے ہیں کہ ان کو بھی اس معیار سے جانچا اور پرکھا جائے گا، یہ ٹھیک ہے، ان کو بھی موقع دینا چاہیے اور ان کی خدمات و احسانات کا موازنہ کرنا چاہیے پھر فیصلہ کرنا چاہیے کہ کون اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

سب سے پہلے ہمارے سامنے ایک سنجیدہ اور باوقار گروہ آتا ہے، یہ حکماء و فلاسفہ کی جماعت ہے، ان میں یونان کے بڑے بڑے فلسفی بھی ہیں اور ہندوستان کے بلند پایہ حکیم بھی، ہمارا ذہن حکمت و فلسفہ سے شروع سے مرعوب رہا ہے، ہم ان کو دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ انھوں نے انسانیت کا سر اونچا کیا ہے،

(☆) یہ تقریر ماہ ربیع الاول ۲۴ ۱۳۷۴ھ مطابق نومبر ۲۲ ۱۹۵۴ء کو امین الدولہ پارک لکھنؤ کے جلسہ عام میں کی گئی جس میں خاصی تعداد میں غیر مسلم شریک تھے، تقریر اسی وقت قلمبند کرلی گئی تھی، بعد میں معمولی ترمیم و اضافہ کے ساتھ ''کاروان مدینہ'' میں شائع ہوئی، اب افادۂ عام کی غرض سے شعبۂ دعوت وارشاد ندوۃ العلماء سے شائع کی جارہی ہے۔

اور اس کا دامن حکمت کے موتیوں سے بھر دیا ہے لیکن تعصبات اور عقیدت مندی سے ذرا آزاد ہو کر غور کیجیے کہ کیا ان کی طرف سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ انسانیت کے حق میں رحمت ثابت ہوئے ہیں؟

میں پوچھتا ہوں کہ انسانیت نے ان سے کیا پایا؟ اس کی کون سی پیاس بجھی؟ انھوں نے اس کے کس درد کا مداوا کیا؟ غور کرنے پر ہم کو مایوسی ہوتی ہے!

ذرا آپ فلسفہ کا مطالعہ کیجیے اور فلاسفہ کی زندگی پر نظر ڈالیے! صاف معلوم ہوگا کہ فلسفہ زندگی کے سمندر میں ایک مختصر سا جزیرہ تھا، ایک محفوظ جگہ تھی، ایک محدود دائرہ تھا، یہ حکماء وفلاسفہ اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اور خدا کی دی ہوئی طاقتیں اس محدود دائرے کے اندر صرف کر رہے تھے، انسانیت کے وہ مسائل جن کو ذرا دیر کے لیے بھی ٹالا نہیں جا سکتا اور جو فوری حل کے محتاج ہیں جن کے بغیر انسانیت کی گاڑی ایک قدم بھی نہیں چل سکتی، ان حکماء نے نہ ان مسائل کو چھیڑا، نہ ان سے بحث کی، اور نہ ان مسائل میں انسانیت کی کوئی مدد کی، وہ اپنے اس علمی جزیرہ کے اندر عافیت کی زندگی گزارتے رہے، لیکن انسانیت تو ان چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بند نہیں تھی، یونان جہاں فلاسفہ بہت گزرے ہیں، اس یونان میں سارے کے سارے فلسفی ہی تو نہیں تھے؟

ان فلسفیوں نے کواکب وسیارات سے تو بحث کی، اور فلکیات پر موشگافیاں کیں، مگر زندگی کے لیے کیا ہدایات دیں اور علمی طبقہ کو چھوڑ کر دوسرے طبقات کی کیا رہنمائی کی؟ انھوں نے بھٹکتی ہوئی انسانیت اور سسکتی ہوئی زندگی کے لیے کیا کیا؟ وہ زندگی میں رہتے ہوئے بھی زندگی سے بے تعلق تھے، انھوں نے اپنے گرد علم وحکمت کا ایک حصار کھینچ لیا تھا اور صرف چند علمی مسائل سے تعلق رکھا تھا۔

یہ ایک سیاسی دور ہے، اور ہمارا ملک اب آزاد ہے، شاید آپ اس مثال سے فلاسفہ کی صحیح پوزیشن سمجھ سکیں، دیکھئے! آپ کے ملک میں مختلف بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں، کوئی امریکی سفارت خانہ ہے، کوئی روسی سفارت خانہ ہے، کوئی مصر کا ہے، کوئی ایران کا، ان سفارت خانوں کے اندر بھی زندگی اور حرکت ہے، ان کے اندر بھی بہت سے لوگ لکھتے پڑھتے رہتے ہیں، بڑے بڑے فاضل اور سیاسی مبصر بھی ہیں، لیکن ان کو ہمارے ملک کے اندرونی مسائل سے کوئی تعلق نہیں، ہمارے آپس کے تعلقات اور باہمی کشاکش سے کوئی واسطہ نہیں، یہاں کی غریبی، امیری، اخلاقی ترقی وانحطاط سے ان کو بحث نہیں، ان کا ایک محدود و مخصوص کام ہے اور وہ صرف وہی کام انجام دیتے ہیں، اس لیے وہ یہاں ہو کر بھی ایسے ہیں گویا وہ یہاں نہیں ہیں، بس اسی طرح حکمت وفلسفہ ایک غیر ملکی سفارت خانہ کی طرح قائم تھا، اور یہ حکماء وفلاسفہ ان سفارت خانوں کی چار دیواری کے اندر علم وحکمت کی نمائندگی کر رہے تھے، اور زندگی کے مسائل سے بے تعلق تھے۔

دوسری جماعت جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ ادباء وشعراء کی جماعت ہے، ہم کو اور آپ کو ادب وشاعری کا ذوق ہے اور ہم ادب وشعر کی تحقیر نہیں کرتے، لیکن بے ادبی معاف! کہ ادباء وشعراء نے بھی انسانیت کے دکھ کا علاج نہیں کیا، انھوں نے ہمارے لیے تفریح کا سامان بہم پہنچایا، ہمارے ادب وزبان کو مالا مال کیا، لیکن انسانیت کی اصلاح کا دردِ سر مول نہیں لیا، اور نہ یہ ان کے بس کی بات تھی، زندگی بنتی اور بگڑتی رہی، انسانیت گرتی اور سنبھلتی رہی اور یہ اپنے میٹھے میٹھے بول سناتے رہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ لوگ اپنی اپنی مصیبتوں میں مبتلا ہوں، کہیں لڑائی جھگڑا ہو رہا ہو، کہیں زندگی کے مسائل درپیش ہوں، اور کوئی بانسری بجانے والا بڑی سریلی آواز میں بانسری بجاتا گزر جائے، آپ تھوڑی دیر کے لیے اس کا لطف لے سکتے ہیں، آپ اس کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں، مگر اس ترنم سے آپ زندگی کے مسائل تو حل نہیں کر سکتے، اور نہ اس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتے ہیں، شعر وادب ہماری زندگی کے لیے کتنی ہی ضروری سہی، اور اس سے ہماری روح کی بالیدگی اور اس سے ہمارے دماغ کو کیسی ہی تازگی حاصل ہو، لیکن ہمارے مسائل کا حل اور ہمارے درد کی دوا تو نہیں، پھر ان ادباء و شعراء کو کسی چیز پر اصرار بھی نہیں تھا، وہ کسی مقصد کے لیے جدوجہد بھی نہیں کرتے تھے، اور نہ اس کے لیے قربانیاں دینا ان کے بس کی بات تھی، اور اصلاح وانقلاب اس کے بغیر ہوا نہیں کرتا۔

تیسرا گروہ جو ہمارے سامنے آتا ہے وہ فاتحین کا ہے، جنھوں نے ملکوں کو فتح کیا اور اپنے زور شمشیر سے قوموں کو تسخیر کیا، اس گروہ سے بھی ہم اچھے خاصے مرعوب ہیں، ان کی تلواروں کی جھنکار ابھی تک ہمارے کانوں میں آرہی ہے، بظاہر ان کے شور سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے انسانیت کی بڑی خدمت کی، مگر ان کے نام کے ساتھ کون سی تاریخ وابستہ ہے؟ کیا عدل وانصاف کی، یا درندگی وسفاکی کی؟

سکندر کا نام آتا ہے تو اس کے مظالم کی داستان تازہ ہو جاتی ہے، کیا وہ انسانیت کا محسن تھا؟ اس نے یونان سے ہندوستان تک تمام ملکوں کو زیر وزبر کر دیا، ملک کے ملک اس کی وجہ سے امن وامان اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، اس کے چلے جانے کے بعد بھی سیکڑوں برس تک یہ ملک سنبھل نہ سکے،

یہی حال سیزر، چنگیز خاں اور دوسرے بڑے بڑے فاتحین کا ہے، فاتح چاہے اپنے ملک کا محسن ہو یا اپنی قوم کے لیے رحمت ہو، مگر دوسری قوموں اور ملکوں کے لیے عذاب اور مصیبت ہے۔

چوتھا گروہ ان لوگوں کا آتا ہے جو ملک کے آزاد کرانے والے ہیں، اور قومی لیڈر ہیں، اس گروہ کا جب نام آتا ہے تو احترام سے ہماری گردنیں جھک جاتی ہیں، حقیقتاً انھوں نے اپنے ملک کے لیے بڑا کام کیا، مگر اس ملک کے باہر بسنے والے انسانوں کے لیے کیا کیا؟

آپ ابراہیم لنکن کے نام سے واقف ہوں گے، وہ جدید امریکہ کا معمار ہے، مگر بتایئے ہندوستان، مصر و عراق اور ان جیسے اور ملکوں کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟ نتائج پر نظر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک امپیریلسٹ طاقت پیدا کر دی اور دنیا کی غلامی کی زنجیر میں ایک اور کڑی کا اضافہ کر دیا۔

سعد زاغلول کون تھا؟ مصر کا محسن اور وہاں کی تحریک آزادی کا سب سے مشہور رہنما، مگر مصر سے باہر اس نے کیا کیا اور اس کا ہم پر کیا احسان ہے؟ یہ قوم پرستی تو دراصل دوسرے ملکوں اور قوموں کے لیے مصیبت ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد ہی اپنی قوم کی برتری اور دوسری قوموں کی تحقیر پر ہے اور اکثر اس کو اپنی قوم کا پایہ بلند کرنے کے لیے دوسری قوموں کو غلام بنانا پڑتا ہے۔

پانچواں گروہ وہ ہے جو سائنٹسٹ کہلاتا ہے، جس نے نئی نئی ایجادیں کیں اور بہت سی کارآمد چیزیں بنائیں، بلاشبہ اس گروہ نے انسانوں کی بڑی خدمت کی، یہ تمام ایجادیں جو ہمارے کام آتی ہیں جیسے بجلی، ہوائی جہاز، ریل اور ریڈیو، انھیں سائنٹسٹ حضرات کی مرہون منت ہے، اس کے لیے انھوں نے بڑی

محنتیں کیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ انسانوں کے بڑے کام آ رہی ہیں، مگر غور کیجیے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ ایجادیں تنہا کافی نہیں، ان ایجادوں کے ساتھ اگر نیک ارادے نہ ہوں، صبر وضبط نہ ہو، خدمت خلق کا جذبہ نہ ہو، اس سے اگر انسانیت کے ضروری مسائل حل نہ ہوں تو بتائیے کہ یہ ایجادیں انسانیت کے لیے رحمت ہیں یا زحمت؟

انھوں نے یہ ایجادیں تو انسان کو دے دیں مگر ان کے استعمال کا صحیح جذبہ نہیں دیا، وہ ذہن وضمیر نہیں پیدا کیا جو ان سے فائدہ اٹھائے اور ان کو ٹھکانے لگائے اور ان سے غلط کام لینے سے پرہیز کرے۔

گزشتہ دو جنگوں کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اخلاقی تربیت اور خداترسی کے بغیر یہ ایجادیں اور یہ وسائل انسانیت کے حق میں قہر وعذاب ہیں، رحمت وراحت نہیں، میں ان سائنس دانوں کی تحقیر نہیں کرتا مگر یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ایجاد کا کارنامہ نیک مقاصد، اخلاقی طاقت اور دماغی توازن کے بغیر مکمل نہیں، ادھورا ہے، جب تک انسان کے دل میں نیک خواہش نہ ہو، اور خود اس کے اندر نیک کام کرنے کی تحریک اور تقاضا نہ پیدا ہو، اس کو وسائل وآلات، مواقع وامکانات اور سہولتیں اور آسانیاں نیک نہیں بنا سکتیں، فرض کیجیے میرے پاس دینے کو روپیہ بھی ہے، لینے کے لیے بہت سے محتاج بھی ہیں، میرا کوئی ہاتھ نہیں پکڑتا، مگر میرے اندر فیاضی کا جذبہ اور مدد کرنے کی خواہش نہیں تو مجھے کون دینے پر آمادہ کرسکتا ہے؟

اب ایک دوسرا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے، یہ پیغمبروں کا گروہ ہے، یہ گروہ ایجاد واکتشافات کا دعویٰ نہیں کرتا، نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب وشاعری پر ناز ہے، وہ اپنے متعلق نہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں، نہ

بے ضرورت خاکساری سے، وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ وہ دنیا کو تین چیزیں عطا کرتے ہیں:

(۱) صحیح علم، (۲) اس علم پر یقین، (۳) اس علم پر عمل کرنے اور اس یقین کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ اور خواہش۔

یہ ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کی تعلیم کا نچوڑ۔

اب میں بتاتا ہوں کہ وہ صحیح علم کیا ہے جو پیغمبر انسانوں کو دیتے ہیں، وہ علم اس کا ہے کہ دنیا کو کس نے بنایا اور کس لیے بنایا؟ پیغمبر کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟

اس کے معلوم کیے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے، ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں، اس لیے کہ اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا پھرنا، کھانا پینا، وہ سب اس عظیم کُل کا ایک حقیر جز ہے، جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے، ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، ہم بھی اس کائنات کا ایک حقیر جز ہیں، اور غلہ کا جو دانہ ہم استعمال کرتے ہیں، وہ بھی اس مجموعہ کی ایک بہت حقیر کسر اور ایک ادنیٰ ذرہ ہے، بلکہ ہم جس سیارہ (زمین) پر بس رہے ہیں، وہ بھی اس کائنات کا حقیر ذرہ ہے، ہماری اس زمین کی اس نظام فلکی میں کیا حیثیت ہے؟ اگر آپ کو وہ نسبت معلوم ہو جائے جو آپ کی اس زمین اور سورج کے درمیان ہے یا دوسرے سیاروں اور ثوابت سے ہے تو آپ کو اپنے وجود سے بھی شرم آنے لگے گی اور اپنے عظیم

الشان وطن سے بھی، آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے جز کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا؟ اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے۔

اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے اور اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرہ یا دوسرے جز سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟

میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا، اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم (انسان) کے لیے اپنے وجود کو قربان کر دیا، لیکن اے انسان! تو نے نہ اپنے خالق کو جانا، نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اسی طرح اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اس کا مقصد کیا ہے، مگر یہ عجب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں، مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، اس کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟

جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی، فلاسفہ، علماء، ادباء، شعراء، فاتحین، حکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے، مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والے سے ناواقف۔

ان چھوٹے چھوٹے بالشتی جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ ڈور تھی، ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانوں پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنالیا ہے، تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے، اے ظالم ڈرائیور! تو نے مسافروں سے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کردی، وہ زندگی کے قلب وضمیر میں کھڑے ہو کر انسانیت کو خطاب کرتا ہے، اور اس کو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جاسکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہو جاتے ہیں، ایک اس کی بات مانتا ہے، ایک انکار کرتا ہے، دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں، ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے، وہ جغرافیہ ومعدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے وہ دوسروں کو مل سکتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے، اور اسی کی مرضی وحکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلاشرکت غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے، اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا انعام ملے گا،

برے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں، جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے، خدا کا راستہ ان کے بغیر طے نہیں ہو سکتا، یہ وہ باتیں ہیں جن پر تمام پیغمبر متفق ہیں، ان میں کسی کا اختلاف نہیں، فلاسفہ و حکماء میں سخت اختلاف ہے، ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں، لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

لیکن علم کے لیے یقین ضروری نہیں، آج ہماری معلومات کتنی زیادہ ہیں، مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے، علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا، قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض، آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء علیہم السلام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے، اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے، مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے، علم بغیر یقین کے زبان کی ورزش ہے، دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق ہے۔

پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، انھوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کر دیا، ان کے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور ان کے دل اس یقین سے طاقتور، ان کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھیے، ان کے یقین کے نتائج اپنی گرد و پیش کی دنیا میں دیکھیے۔

آج اگر یقین ہوتا تو بد اخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لیے ہیں کہ علم نہیں؟ لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے؟ گرہ کٹی بد اخلاقی ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جہاں علم زیادہ ہے، وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں،

جولوگ رشوت کی برائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اور اس کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں، جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں، وہ چوری زیادہ کرتے ہیں، گرہ کٹوں کو دیکھئے، ان میں بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام میں کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہوتے ہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا؟

اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کی سزا کے بعد چوری چھوٹ جاتی، اور ایک بار جرم کرنے کے بعد اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی دوبارہ جرم نہ کرتا، لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے، معلوم ہوا کہ علم تنہا کافی نہیں۔

پھر علم ضروری اور یقین ضروری، مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ اس پر عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا؟ بہت سے لوگ جانتے بھی ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بری چیز ہے، اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے، یقین بھی، مگر پیتے ہیں، آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر حکیم ہوں گے جو بد پرہیزی کرتے ہیں، ان کو یقین ہوتا ہے کہ بد پرہیزی خطرناک ہے، مگر وہ بد پرہیزی کر گزرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا، اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بد پرہیزی سے نفرت نہیں ہوتی، بلکہ بد پرہیزی کی خواہش ہوتی ہے، اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

انبیاء کرام علم و یقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں، یعنی اپنے علم و یقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم و یقین سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط

کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے اپنے زمانہ والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور ان کی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آگئی، انسانیت پر حقیقی احسان انھیں پیغمبروں کا ہے، اللہ کا درود و سلام ہو ان پر کہ انھوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت پر ہلاکت سے بچالیا۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں، علم صحیح گم ہوگیا، یقین کا چراغ بجھ گیا، نیک عمل کی خواہش مردہ ہوگئی، چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں ڈھونڈنے سے بھی ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا تھا، شک و بےعملی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا، جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہل یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور تین ملکوں میں اس کو صرف چار صاحب یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے، وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں، جو دولت کسی کسی سینہ اور کسی کسی سفینہ میں تھی، جو گھروں سے نکل کر محلوں میں بھی اور محلوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی، وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا، ان کا صور پھونک دیتا ہے، دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سنی، اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے، اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں، جب جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے، جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں، اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ ”خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ، اللہ کے پیغمبر ہیں۔“

آج ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے کونے کونے میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے، لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو، خواہ برطانیہ کا، کسی حقیقت کو، کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا ہے جس طرح یہ علم عام ہوا ہے، جس کی صدا عرب کے نبی اُمی نے کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر لگائی تھی!

انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے، ایسی ہی ترنگ میں اقبالؔ نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ میں عرض کیا تھا۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اگر آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق اور اس

ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟

یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں، اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے، جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیغمبر بھیجا اور ان کو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے میدان میں جب اپنی چودہ پندرہ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے لیے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لا کر کھڑا کر دیا، تو زمین پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا کہ "اے اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو آج ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی جو صدا لگائی تھی، اس سے دنیا کا کوئی مذہب، کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا، جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لیے خدا کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے، خدا نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے اس لیے جھکایا، تاکہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کارخانۂ قدرت کے کارندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی یہ حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی، اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا، اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا، آپ کو بعثت محمدیؐ کے بعد اس کے لہجہ میں فرق محسوس ہوگا، اب وہ اپنے

عمل پر نازاں نہیں، وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے۔

پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم ویقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں ہزار پولیس، سیکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے، یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جن سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے، وہ بیتاب ہو جاتے ہیں، ضمیر چٹکیاں لینے لگتا ہے، اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں: ''حضور! مجھ کو پاک کر دیجیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخِ انور پھیر لیتے ہیں، وہ اسی طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں، وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

آپ تحقیق کرواتے ہیں کہ ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں، تو آپ ان کو سزا دلواتے ہیں۔

کس چیز نے ان کو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو خود کھینچ کر لائی؟

آگے چلئے! غامدیہ ایک انپڑھ عورت تھیں، کسی دیہات کی رہنے والی، وہ ایک بار بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا، مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی، جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزہ نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا کیا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہیے، اس گناہ

کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں، وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، اور تقاضہ کرتی ہیں کہ ان کو پاک کردیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور؟ اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے؟ جب یہ ہو جائے تب آنا۔

خیال کیجیے! ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا انھوں نے کھایا پیا نہ ہوگا؟ کیا زندگی نے خود ان سے تقاضہ نہ کیا ہوگا؟ کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہوگا کہ اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کردیں؟ مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد بچہ کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور! میں اس سے فارغ ہوگئی، اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا نہیں نہیں! ابھی اس کو دودھ پلاؤ، جب دودھ چھوٹے تب آنا۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس تو ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی نہ نگرانی، نہ مچلکہ نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں گے؟ بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی، اور بچہ اپنی زبانِ بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں! میں تو تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا! مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں! تیری ماں ناپاک ہے، اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے، وہاں کی سزا سخت ہے۔

وہ پھر حاضر ہوئی، روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے، اور کہتی ہے یا رسول

اللہ! دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے، اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کردی جائے تو سب کے لیے کافی ہو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا وَ أَرْضَاهَا.

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتھکڑی بیڑی کے، بغیر مچلکہ و ضمانت کے، بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے، اور سزا کے لیے اصرار کرواتی ہے، آج ہزار ہا پڑھے لکھے، قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا، اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کرسکتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کیے، علم صحیح، یقین کامل، اور نیکی کا تقاضائے قلبی، دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہیے کہ ہماری نوع انسان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا، اور ہم انسانیت کی شرافت و عظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر انسان کے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی مِلک نہیں، ان پر کسی مُلک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایۂ فخر ہیں، کیوں

آج کسی ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے، جس پر آپ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟

کیا مردوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی؟

کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق بتلائے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔"

کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کی حمایت کی اور فرمایا کہ "مظلوم کی بددعا سے ڈرو کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں، خدا کہتا ہے کہ میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں۔"

کیا طاقتوروں اور حکمرانوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کے حقوق وفرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں اور خدا سے ڈرنے والوں کو بشارت سنائی کہ "بادشاہِ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا۔"

کیا تاجروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشہ کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس گروہ کی عزت بڑھائی۔ کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ "میں اور راست گفتار اور دیانت دار تاجر جنت میں قریب قریب ہوں گے۔"

کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ "مزدور کی

مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو۔"

کیا جانوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احساس و زندگی ہے، اس کو آرام پہنچانا اور کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے۔"

کیا ساری انسانی برادری پر آپ کا احسان نہیں کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں، "أَنَا شَهِيدٌ أَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ إِخْوَةٌ."

کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے سنا کہ "خدا کسی ملک، قوم، نسل و برادری کا نہیں، سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے۔"

جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، مصریوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" کی حقیقت کا اعلان ہوا، اور اس کو نماز کا جز بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء و فلاسفہ بھی آئے، ادباء و شعراء بھی، فاتح و کشور کشا بھی، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین و مکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کس کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے آخر سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں نوع انسانی کے لیے، وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، چودہ سو برس کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہتی ہے

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھیرے تُو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

کامل، عالمگیر اور لازوال نمونہ

اس باب کا اختتام حضرۃ الاستاد مولانا سید سلیمان ندویؒ کی مشہور کتاب ''خطبات مدراس'' کے ایک اقتباس وانتخاب پر کیا جارہا ہے، جس میں سید صاحب نے رسول اللہ ﷺ کے کامل، عالمگیر اور لافانی نقش حیات، آپ ﷺ کی جامعیت وکاملیت اور تمام طبقات انسانی نیز ہر ماحول، ہر زمانہ، ہر پیشہ اور ہر مشغلہ، غرض ہر قسم کے حالات اور ہر سطح ومعیار کے لیے آپ ﷺ کی کامل وجامع رہنمائی اور اسوۂ حسنہ کی نہایت مؤثر اور بلیغ انداز میں تشریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفۂ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اگر تم دولتمند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر تم غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر تم بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر تم رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر تم فاتح ہو تو بدر وحنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل

کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کے درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر تم واعظ و ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تم تنہائی اور بے کسی کے عالم میں حق کے منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور اپنے مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر تم اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ اور آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر تم سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر تم عدالت کے قاضی ہو اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر تم اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کچھ

بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تمہاری زندگی کے لیے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستگی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانے کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کو نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے، اس لیے طبقات انسانی کے ہر طالب علم اور نور ایمانی کے ہر متلاشی کے لیے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوح و ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیاء کرام کی سیرتیں، ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت، اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شئے کے طلبگار کے لیے بہترین سامان موجود ہے۔" (۱)

☆ ☆ ☆

(۱) خطبات مدراس از علامہ سید سلیمان ندوی ؒ ص/۹۶-۹۸